اسلامی حکومت میں ملازموں کے حقوق و فرائض

خلیل الحامدی

اسلامی حکومت میں کارکنانِ حکومت اور سرکاری عہدیداروں کے فرائض و واجبات اور اوصاف و آداب معلوم کرنے کے لئے جب ہم اسلامی لٹریچر کی ورق گردانی کرتے ہیں، تو اس بارے میں ہمیں معلومات کا اس قدر وسیع اور تفصیلی ذخیرہ دستیاب ہوتا ہے کہ اس مسئلے کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہتا جس میں صاحبِ تحقیق تشنگی محسوس کر سکے، البتہ یہ ذخیرہ یکجا اور مرتب شکل میں نہیں ہے۔ اس لئے اس میدان میں تحقیق و طلب کے لئے اترنے والے کو مختلف کتابوں کی ورق گردانی اور مختلف گلستانوں سے گل چینی کرنی پڑتی ہے۔ یہ ذخیرہ اپنے دامن میں صحت مند اور مستحکم و مربوط نظامِ حکومت کے ایسے حکیمانہ اور مصلحت آمیز عجائب و نوادر رکھتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں جدید ترقی یافتہ ادارہ ہائے حکومت ناقص اور نارسا معلوم ہوتے ہیں۔ جب ہم اسلامی نظام کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس مطالبے کے ساتھ ہمیں یہ فکر بھی دامنگیر ہوتی ہے کہ اسلام کے سروس سسٹم اور حکومت کے نظم و نسق کے محاسن و امتیازات سے بھی عوام الناس کو روشناس کرائیں، تاکہ انہیں غیر اسلامی نظامِ حکمرانی اور اسلامی نظامِ حکومت میں تقابل کرنے میں آسانی رہے۔ زیرِ نظر مضمون اسی غرض کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ اپنے موضوع پر پورا حاوی نہیں ہے، تاہم اس مجمل خاکے سے اس موضوع کے خدوخال کسی قدر معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کا سنگِ بنیاد رکھا تو اس کے قیام کے ساتھ ہی ایک ایسا نظامِ عمل وجود میں آ گیا جس کا بار اُٹھانے کے لئے خدا ترس، دیانت دار اور احساسِ ذمہ داری رکھنے والے کارکنوں کی ضرورت تھی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ مختصر سے مختصر جماعت اور چھوٹی سے چھوٹی اجتماعی مہم کے لئے بھی اپنا امیر اور سربراہ منتخب کریں۔ اس طرح آپ ﷺ نے نہایت حکیمانہ طریقے سے چھوٹے چھوٹے اجتماعی کاموں میں نظم و ضبط کی تلقین فرما کر بڑے پیمانے پر ہونے والے اجتماعی کاموں میں نظم و نسق اور جماعتی شیرازہ بندی کی ضرورت اور اہمیت واضح کر دی۔(۱) اور اسلامی ریاست کے لئے

۱۔ الحسبۃ فی الاسلام ابن تیمیہ، ص ۵۔

☆ العادۃ محکمۃ ☆ عادت کو حکم بنایا گیا ہے یعنی فیصلہ عرف کے مطابق ہوگا۔

موزوں و مطلوب کارکنوں کی تربیت کا دائمی انتظام کر دیا۔ مدینہ میں تمام معاملات کی سربراہ کاری اور رہنمائی آپ نے اپنے ہاتھ میں لے لی، اور مدینہ کے باہر دور و نزدیک کے مقامات پر اپنی جانب سے عاملوں اور والیوں کا تقرر کیا۔ جنگی مہم درپیش ہوئی تو فوج کے لئے سپہ سالار نامزد فرمائے، زکوٰۃ و صدقات کی جمع و تقسیم کے لئے محصلین کا بندوبست کیا۔

موجودہ حکومتوں کے ادارہ ہائے نظم و نسق، جن کا عرب کی قدیم دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتے، مدینہ کی اسلامی حکومت میں ان میں سے بیشتر کا وجود ہمیں ملتا ہے۔ چونکہ موجودہ ترقی یافتہ حکومت کی محکمانہ اصطلاحات اس وقت رائج نہ تھیں۔ اس لئے ان اصطلاحات Terms سے اس وقت کے محکمے موسوم نہ تھے، مگر عملاً یہ صیغہ جاتی نظام اپنی سادہ و مختصر شکل میں موجود تھا۔ خود عہدِ نبوت میں ہم کو وزارت اور سررشتۂ کار کی متعدد صورتوں اور سفارت و قضاء کے مناصب کا وجود ملتا ہے۔ کارپردازانِ حکومت میں سے واجباتِ حکومت وصول کرنے والے، محافظینِ امنِ عامہ، اربابِ تعلیم و صحت، مالیات و جنگی امور کے ذمہ دار، غنائم اور اموال فے کے منتظمین اور ترجمانِ حکومت وغیرہ کے عہدے ملتے ہیں، بلکہ بعض ایسے مناصب بھی ملتے ہیں جو مزاج و ضرورت کے لحاظ سے ترقی یافتہ اور متمدن گورنمنٹ سے مختص ہیں۔ جیسے پرائیویٹ سیکرٹری اور افسر استقبال کے منصب۔(۱)

لیکن ان اعمال و مناصب کے لئے اصطلاحات کے وہ لباس نہ تھے جو آج کل رائج ہیں، اور نہ تصنّع اور شکوہ و طمطراق کے وہ مناظر نظر آتے ہیں جو دورِ حاضر کی حکومتوں کا خاصہ قرار پا چکے ہیں۔

اسلام میں سرکاری منصب کا تصور اور اس کے تقاضے:

اسلام سرکاری ملازمت اور عہدیداری کو حصولِ جاہ و منزلت، منفعت جوئی اور کسبِ دنیا کا ذریعہ نہیں قرار دیتا، بلکہ اسے ایک ناگوار تکلیف اور امت کی پاسبانی کی کٹھن اور زہرہ گداز ذمہ داری قرار دیتا ہے، جو شخص اس ذمہ داری کو اپنی پشت پر لاد لیتا ہے اور پھر اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بجائے اطمینان سے گھر میں بیٹھ رہتا ہے یا تغافل برتتا ہے، وہ خدا کی نگاہ میں مبغوض ٹھہرتا ہے، قیامت کے روز اہلِ جنت کے زمرے میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

۱۔ التراتیب الاداریہ، محمد الکتانی (رباط، مراکش)، ج ۱، ص ۳، ۳۸۰، ج ۲، ص ۱۴۴۔

ما من امیریلی امر المسلمین ثم لا یجھدلھم وینصح الا لم یدخل الجنۃ معھم۔(۱)

جو شخص مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا جائے، پھر نہ تو وہ ان کے لئے دوڑ دھوپ کرے اور نہ ان کی خیرخواہی کرے، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اسلام کا تقاضا صرف یہ نہیں کہ اس ذمہ داری کو پوری سرگرمی اور بے نفسی سے ادا کیا جائے، بلکہ کارکنانِ حکومت سے اسلام یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ رعایا اور ماتحتوں کے ساتھ نرمی، دلداری اور شفقت و محبت کا برتاؤ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے رحم حکام کے بارے میں فرمایا ہے: اِنَّ شَرَّ الرعاۃِ الحُطَمۃُ(۲) (بدترین حاکم حطمہ ہے) حطمہ کے معنیٰ ہیں پامال کرنے والا، یعنی ایسا سنگدل اور سخت گیر حاکم جو رعایا کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی سے معاملہ کرنے کے بجائے درشت مزاجی اور تندخوئی کا رویہ اختیار کرے۔ اور اس کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرنے کے بجائے اسے پامال کرے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک دل اور مشفق حاکم کے حق میں اللہ سے مہربانی کی دعا کی ہے وہاں سخت گیر اور بدخواہ حاکم کے لئے آپ نے بددعا کی ہے۔ آپ ﷺ کے الفاظ یہ ہیں:

اللھم من ولی من امر امّتی شیئًا فشق علیھم فاشقق علیہ، ومن ولی من امر امتی شیئًا فرفق بھم فارفق بہ۔(۳)

اے اللہ! جو شخص میری امت کے لوگوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنایا جائے اور وہ ان کو مشقت میں ڈالے، تو تُو بھی اسے مشقت میں ڈال، اور جو ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے، تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر۔

ایک اور روایت میں رعیت کی بدخواہی اور حق تلفی کو ایسا سخت جرم بتایا گیا ہے جو قیامت کے روز حکمران کو جنت سے محروم کرنے اور اللہ کے غضب کا مستحق قرار دینے کے لئے کافی ہے:

ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیہ یموت یوم یموت وھو غاشٍ لرعیتہ الّا حرم اللہ علیہ الجنۃ. (۴)

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کا چرواہا (حاکم) بنایا اور وہ اس حال میں مرا کہ

۱۔ صحیح مسلم۔ ۲۔ ایضاً۔

۳۔ ایضاً۔ ۴۔ ایضاً۔

اس نے لوگوں کیساتھ فریب کاری کی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

اس کے بالمقابل جو حکام عدل و انصاف اور شفقت سے معاملات کو انجام دیتے ہیں، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کی جو عزت افزائی کرے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے، آپ کا ارشاد ہے:

ان المقسطين عندالله على منابر من نور عن يمين الرحمان عزوجل، وكلتا يديه يمين، الذين يعدلون في حكمهم واهليهم وما ولوا. (۱)

عدل و انصاف کرنے والے امراء و حکام نور کے منبروں پر اللہ تعالیٰ کے داہنے بیٹھے ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل وعیال میں اور اپنے دائرۂ اقتدار میں انصاف کرتے رہے۔

ذمہ داریوں کی اسی نزاکت اور گرانباری کے پیشِ نظر اسلام ان لوگوں کو مناصبِ حکومت سے محترز رہنے اور ان سے دامن کش رہنے کی ترغیب دیتا ہے، جو اپنے اندر اس بارِ گراں کو اٹھانے کی سکت نہ پاتے ہوں۔ یا ان کو کماحقہٗ ادا کرنے سے قاصر رہیں۔ اسلام پکار پکار کر کہتا ہے کہ جو لوگ حکومت کے عہدوں کو اہلیت و استحقاق کے بغیر حاصل کرتے ہیں، اور پھر اُن سے کماحقہٗ عہدہ برآ نہیں ہوتے، وہ خائن ہیں اور قیامت کے روز یہی عہدے ان کے لئے رسوائی اور ندامت کا باعث ہوں گے۔(۲) دوسری طرف اسلام یہ ترغیب بھی دیتا ہے کہ جو باہمت ان ذمہ داریوں کی دشوار گھاٹیوں کو عبور کرنے کی قدرت رکھتے ہوں، اور ان میں وہ شرائط پائی جاتی ہوں، جو ان ذمہ داریوں کی بجا آوری کے لئے مطلوب ہیں تو یہ انھیں کو تفویض کی جائیں۔ ایسی صورت میں یہ مناصب تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن جاتے ہین، اور جو اسے اپنی ہمت کی آخری رمق تک ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ کے نزدیک ان کی یہ کوشش بزرگ ترین نیکی شمار ہوتی ہے۔(۳)

اَلْاَمْثَل فَالْاَمْثَل کا اصول:

کارکنوں کے تقرر و انتخاب میں اسلامی حکومت "اَلْاَمْثَل فَالْاَمْثَل" (خوب سے خوب

۱۔ صحیح مسلم۔ ۲۔ ایضاً۔

۳۔ الحسبة في الاسلام، ابن تیمیہ، ص ۶۔

تر) کا اصول اختیار کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ موجود ہوں ان میں سے بہتر اور اہل تر کو ترجیح دی جائے گی، جو اس اصول سے انحراف کرتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معیارِ انتخاب اختیار کرتا ہے، اسلام اسے اسلامی ریاست سے غداری تصور کرتا ہے۔ ذیل کے قول میں جو غالبًا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، اس امر کی صراحت ملتی ہے:

من قلّد رجلا علی عصابة وهو يجد في تلك العصابة من هو ارضٰی منه فقد خان الله ورسوله و خان المؤمنين.

جس نے مسلمانوں کے کسی گروہ پر ایسے شخص کو سربراہ کار بنا دیا کہ اس گروہ میں اس سے زیادہ بہتر شخص موجود تھا، اس نے اللہ سے، اس کے رسول ﷺ سے اور عام مسلمانوں سے غداری کی۔

اسلامی نظامِ حکومت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اس میں ریاست کے کارفرماؤں اور کارپردازوں کے سامنے خوب و ناخوب کے جو پیمانے رکھے جاتے ہیں، اور سعادت و شقاوت کے جو معیار قائم کئے جاتے ہیں، ان میں بنیادی تصور حاکمِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کی رضا جوئی، فلاحِ آخرت اور حاکمِ اعلیٰ کی رعیت کی خیرخواہی ہوتا ہے۔ یہ تصور بڑے سے بڑے عہدیدار سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے اہل کار تک کی کارگزاریوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور فی الجملہ رعیت کے حق میں اس کے بڑے مفید اور خوش کن نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایک مکتوب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اسی بنیادی مقصد کی جانب توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں......

ان اسعد الرعاة عند الله من سعدت به رعيته، وان اشقى الرعاة من شقيت به رعيته۔ (۱)

سب سے زیادہ خوش قسمت حاکم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس سے اس کی رعیت سعادت پائے اور سب سے زیادہ بدبخت حاکم وہ ہے جس سے اس کی رعیت شقاوت پائے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں: ''یاد رکھ کہ حاکم کو ایک دن اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ اگر

۱۔ کتاب الخراج، ابو یوسف۔

حاکم کجروی اختیار کرے گا تو رعایا بھی کجروی پر اُتر آئے گی۔ اور اس کا وبال حاکم کے سر ہوگا۔''

اسلامی نظامِ حکومت ہی نہیں، بلکہ ہر نظامِ حکومت کی کامیابی اور مضبوطی کارکنانِ حکومت کی عدل گستری اور انصاف پر وہی پر موقوف ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ عادل حکومت کی مدد کرتا ہے، خواہ وہ کافر ہی ہو، اور ظالم حکومت کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے خواہ وہ مسلم ہی ہو۔ (۱)

کارکنانِ حکومت کے آداب:

حکومت کے اعلیٰ عمّال و حکّام سے لے کر ادنیٰ کارکن میں جن آداب و خصائل کا پایا جانا ضروری ہے، ان کی تفصیل ہم علامہ قلقشندی کی زبان سے نقل کرتے ہیں۔ یہ تفصیل علامہ قلقشندی نے کاتب (دبیر، سیکرٹری) کے آداب میں بیان کی ہے، لیکن آدابِ کاتب کے تحت عالمِ موصوف نے جو کچھ ذکر کیا ہے درحقیقت اس کا نمونہ ہر اور ہر کارکن کو ہونا چاہئے:

''اپنے اختیارات اور ذمہ داریوں میں بے لوث اور بے غرض رہے۔ مذموم خواہشوں اور کمینہ طریقوں سے محترز رہے۔ نوائے دلگذار اور دلِ درد مند رکھتا رہے۔ یہ روش اُسے اللہ کے تقرب سے بھی بہرہ مند کرے گی اور حکومت کی نگاہ میں بھی محترم کرے گی۔ عام لوگوں کے ساتھ اسے خوش معاملگی اور حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہئے، جو ملازم ان پاک طریقوں کی پابندی کرتے ہیں، ان کے لئے ترقی اور کامیابی کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ انہی طریقوں سے کم تعلیم والے بڑے بڑے مناصب تک پہنچے، اور ایسے لوگوں پر انھیں برتری حاصل ہو گئی جو قابلیت اور فہم و فراست میں ان سے بدرجہا بلند تھے اور اللہ تعالیٰ نے دنیوی طور پر بھی انھیں مال و دولت سے نوازا۔ قوم کے اندر انھیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ ان خوبیوں نے بیگانوں کو قریب کر دیا اور ان سے عاری لوگوں کو یگانگی کے باوجود دور پھینک دیا۔ ان کو اختیار کر کے جو کچھ نہ تھے وہ سب کچھ ہو گئے، اور ان کو چھوڑ کر جو لاکھ تھے وہ خاک بھی نہ رہے۔'' (۲)

احتساب کا نظام:

اسلامی حکومت میں احتساب (یعنی ملازمین کی کارگزاریوں کا جائزہ اور ان کی کوتاہیوں

۱۔ الحسبۃ فی الاسلام۔ ۲۔ صبح الاعشیٰ، جلد اول، ص ۷۱۔

اور زیادتیوں کا مؤاخذہ) ان فرائض میں سے ہے جن سے غفلت اور تساہل کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اولاً تو اسلام ہر مسلمان کے دل میں خواہ وہ حکومت کا کارکن ہو یا عام شہری، دائمی طور پر احتساب و باز پرس کرنے والی ایک ایسی باجبروت اور علیم وخبیر ہستی کا تصور بٹھا دیتا ہے کہ اس تصور کے ہوتے کوئی شخص کسی وقت بھی خیانت و بدعہدی کا خیال بھی نہیں کر سکتا، خواہ اسے کتنے مفید اور محفوظ مواقع میسر آتے ہوں اور ثانیاً وہ ریاست کے ذمہ داران وعمائد کے فرائض میں یہ شامل کرتا ہے کہ وہ عمّال و حکّام کے تقرر کے بعد ان کی کارگزاریوں کا برابر محاسبہ کرتے رہیں، اور ان کی پرائیویٹ زندگی اور پبلک زندگی کا جائزہ لیتے رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ملک کے دور دراز حصوں میں رہنے والے عمّال اور شہریوں کے بارے میں بھی ان کو اتنی ہی وسیع معلومات ہوتی تھیں، جتنی اس شخص کے بارے میں ہوتی تھیں جس نے ان کے ساتھ ایک بستر پر اور ایک تکیے پر رات گزاری ہو۔ ملک کا کوئی حصہ اور کوئی گوشہ اور ریاست کا کوئی عامل اور فوج کا کوئی سپہ سالار ایسا نہ تھا جس پر ان کی کڑی نگاہ نہ ہوتی تھی، حتیٰ کہ ملک کے مشرقی کنارے سے لے کر مغربی کنارے تک کے لوگوں کی باتیں صبح وشام ان تک پہنچتی رہتی تھیں۔ (۱)

موجودہ حکومتیں ملازمینِ حکومت کی نجی زندگی کو اپنے دائرۂ احتساب سے خارج سمجھتی ہیں، لیکن اسلامی ریاست میں بڑے سے بڑے عہدیدار بھی اپنے خالص ذاتی تصرفات میں، جو حکومت کی نگاہ میں قابلِ اعتراض ہوں، حکومت کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ حذیفہ بن الیمان نے ایک غیر عرب عورت سے شادی کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں جب یہ بات آئی تو آپ نے حذیفہ کو حکم دیا کہ اس عورت کو طلاق دے دو اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ: عجمی عورتوں میں دلکشی پائی جاتی ہے۔ اگر تم لوگ ان کی طرف لپک گئے تو یہ تمہیں عرب عورتوں پر جابر بنا دیں گی۔" (۲)

حکومت کا جو کارکن اپنے ایمان وضمیر کے تقاضوں کو پامال کرتا ہے، اور اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں سے اپنے نفس کو کھلی چھٹی دے دیتا ہے، اس پر صرف "نااہلی" کا الزام لگا کر سبکدوش نہیں کر دیا جاتا، بلکہ اسے تمام کوتاہیوں کی جوابدہی کرنی پڑے گی اور اپنی غلط کاریوں کا ذرہ ذرہ حساب دینا ہوگا۔ اور اس کے بعد اسے ایسی قرار واقعی سزا دی جائے گی جو اس کے ہم پیشہ افراد کی آنکھوں کو کھول دینے کے لئے کافی ہو۔ سلطنتِ عباسیہ کے چیف جسٹس امام ابو یوسف رحمہ اللہ

۱۔ الطبری، ج ۴، ص ۴۷۔ ۲۔ ایضاً۔

خلیفہ ہارون الرشید کو اس تاریخی نوشتے میں جو کتاب الخراج کا سرنامہ ہے ہدایت کرتے ہیں:

''بہتر یہ ہے کہ آپ نیکوکار، پاکیزہ دامن اور قابل اعتماد افراد کی ایک جماعت ملک میں پھیلائیں۔ جو شہروں اور قریوں میں جا کر عمالِ ریاست اور ان کی کارگزاریوں کی تفتیش کرے۔ پھر جب آپ کو کسی والی یا حاکم کے بارے میں یہ اطمینان ہو جائے کہ وہ ظلم و تعدّی اور دست درازیاں کرتا ہے، رعایا کی دیکھ بھال کے بارے میں آپ کے ساتھ بدعہدی کرتا ہے، سرکاری اموال کا غبن کرتا ہے یا حرام خوری پر اتر آیا ہے یا اس کے چال چلن میں خرابی پیدا ہوگئی ہے، تو اس کے بعد آپ کے لئے اسے بطورِ حاکم استعمال کرنا، رعیت کے کسی کام کا ذمہ دار بنانا یا اسے امورِ مملکت میں شریک کرنا حرام ہے، بلکہ ایسے بدطینت شخص کو آپ کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ اور اسے ایسی سخت سزا دیں کہ دوسرے جو ابھی تک ان خرابیوں میں ملوث نہیں ہوئے ہیں، اسے دیکھ کر عبرت پذیر ہوں، البتہ مظلوم اور بے گناہ کی آہوں سے آپ بچتے رہیں۔ ان کی دعائیں بارگاہِ ایزدی میں مستجاب و مقبول ہیں۔'' (۱)

یہ بھی ضروری ہے کہ ملازمین اور کارندوں کے متعلق حکومت کے پاس جو رپورٹیں آئیں وہ نہایت صحیح، حقیقت کا آئینہ اور عادلانہ ہوں۔ قاضی ابو یوسف اس سلسلے میں بھی ہارون الرشید کو تاکید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہوسکتا ہے کہ خبر رساں رعیت کے خلاف عمال سے سازباز کرلیں۔ اور عمال کی بدمعاملگیوں کی پردہ پوشی کریں یا اس کے برعکس عمال اور حکّام سے بگڑ جائیں اور ان پر خلاف واقعہ الزامات لگا دیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ ہر شہر اور ہر علاقے میں سے عادل اور ثقہ لوگوں کو ڈھونڈیں اور خبر رسانی اور اطلاعات کا کام ان کے سپرد کریں۔ اور آپ انھیں پیشگی متنبہ کر دیں کہ وہ رعایت کی کسی بات کو یا حکّام کے کسی فعل کو آپ سے چھپا کر نہ رکھیں اور جو خبریں آپ تک پہنچائیں ان میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی نہ کریں۔ اس کے بعد جو آپ کی ہدایات پر عمل نہ کریں انھیں کئے کا مزہ چکھائیں۔ جب تک علاقوں کے اندر اطلاعات بہم پہنچانے والے اور خبر رسانی

۱۔ الخراج، ابو یوسف، ص ۳۷۔

کرنے والے معتمد اور صادق القول لوگ نہ ہوں، کسی قاضی یا کسی حاکم کے بارے میں موصول ہونے والی اطلاع پر صاد کرنا درست نہیں ہے۔" (۱)

آزادیٔ رائے:

اسلام کارکنانِ حکومت پر ہر طرح کی پابندیاں عائد کرنے کے باوجود انھیں یہ اجازت بھی دیتا ہے کہ وہ جس بات کو بہتر سمجھیں اسے اختیار کریں۔ ان کی اپنی رائے کو اس حد تک سلب نہیں کرتا کہ وہ حکومت کی مشینری کا محض ایک بے جان پرزہ بن کر رہ جائیں۔ موجودہ حکومتیں اپنے ملازمین اور کارکنوں کے اندر جو غلامانہ ذہنیت اور بندۂ حکم بن جانے کا مزاج پیدا کرتی ہیں اس کی بناء پر کوئی کارکن یہ اپنے وہم و خیال میں بھی نہیں لا سکتا کہ وہ اگر افسرِ اعلیٰ کے کسی حکم کو خلافِ مصلحت اور غیر مناسب سمجھے تو اس کی تعمیل سے رک جائے، لیکن اسلامی دورِ حکومت میں ہمیں متعدد ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ اوپر سے ایک حکم نافذ ہوتا ہے جسے کارکن مقصدِ اعلیٰ کے منافی تصور کرتا ہے تو اس پر عمل درآمد سے ہاتھ روک لیتا ہے۔ زیاد نے ایک بار حکم بن عمرو غفاری کو لکھا کہ امیرالمؤمنین معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کے لئے سونا اور چاندی جمع کروں، لہٰذا لوگوں کے اندر تم سونا اور چاندی تقسیم نہ کرو، اس کے بجائے جو چاہو تقسیم کرو۔ حکم بن عمرو نے جواب دیا۔ امیرالمؤمنین کے حکم سے پہلے میرے پاس اللہ کا حکم موجود ہے۔ بخدا! اگر کسی بندے پر زمین و آسمان کے دروازے بند ہو جائیں، لیکن وہ اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔ یہ کہہ کر انھوں نے لوگوں کو بلایا اور تمام مال سونے چاندی سمیت تقسیم کر دیا۔

اطاعت کے حدود:

شہریوں کے لئے امراء و حکام کی اطاعت کے معاملے میں اسلام نے جو شرائط اور حدود متعین کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی اطاعت صرف امرِ معروف میں ہوگی۔ اور اگر وہ منکرات کا حکم دیں یا خلافِ شریعت باتوں پر لوگوں کو مجبور کریں، تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ ان کی ان باتوں کی نکیر کریں، ان سے کھلم کھلا بیزاری کا اظہار کریں، اور صرف امرِ حق کی حمایت کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

۱۔ الخراج، ابو یوسف، ص ۱۱۴۔ ۱۱۵۔

"ستکون امراء فتعرفون و تنکرون فمن کرہ برئ ومن انکر سلم ولکن من رضی و تابع." (۱)

(عنقریب تمہارے اندر ایسے امراء ظاہر ہوں گے جن میں تم معروف اور منکر دونوں طرح کی باتیں دیکھو گے۔ سو جس نے منکر کو منکر سمجھا وہ تو بری ہوا اور جس نے اس کی مخالفت کی وہ سلامت رہا، لیکن جو اس پر راضی ہو گیا اور پیروی کرنے لگا (وہ عذاب کا مستحق ہے)۔

ایک دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم حکام کا ساتھ دینے والے اور ان سے تعلق کرنے والے سے صاف صاف برأت کا اظہار فرمایا ہے:

من صدقھم بکذبھم واعانھم علیٰ ظلمھم فلیس منی ولست منہ لا یرد علی الحوض.

(جس نے ان کے جھوٹ کی تصدیق کی، اور ظلم پر ان کی مدد کی۔ اس کا مجھ سے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ وہ حوض پر میرے پاس آ سکے گا)۔

منصب کا غلط استعمال:

حکومت کے ملازمین کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے منصب کو لوگوں پر دھاک بٹھانے اور اپنے رعب و دبدبے کی نمائش کرنے کا ذریعہ بنائیں، یا عہدہ و اقتدار کے بل بوتے پر لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیں۔ اسلامی حکومت میں منصب فخر و غرور کی چیز نہیں، بلکہ خدمت گزاری کا وسیلہ ہے۔ اس کی ذمہ داریوں کے بار سے گردن دب جانی چاہئے، نہ کہ الٹی اکڑ جائے اور رعیت کی خدمت کے بجائے اس کے لئے عذاب کا سبب بن جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ایک عالم کو لکھتے ہیں:

"تو لوگوں کے ساتھ عجز و انکسار سے پیش آ، ان سے نرمی کا رویہ اختیار کر، اور اپنے سلام و کلام میں اور مشوروں اور گفتگوؤں میں ان کے برابر رہ۔ بڑے اور بااثر لوگ تجھ سے ناانصافی کا لالچ نہ رکھیں اور کمزور تیرے عدل سے ناامید نہ ہوں۔" (۲)

اسلامی حکومت اپنے شہریوں کے ساتھ جس حسنِ التفات، خبر گیری اور دیکھ بھال کے

۱۔ صحیح مسلم۔ ۲۔ نہج البلاغہ، شریف رضی، ج ۲، ص ۵۴۔

☆ اذا تعارض الحقوق قدم منہا المضیّق ☆

احساسات رکھتی ہے، ان کی بناء پر وہ سربراہ کاروں اور نظم و نسق کے متولیوں پر یہ فرض عائد کرتی ہے کہ وہ خود جا جا کر لوگوں کی ضروریات دریافت کریں اور انھیں بروقت پورا کریں۔ اس فرض کی بجاآوری میں کسی شخص کا کم مرتبہ اور عامی ہونا آڑے نہ آئے، بلکہ ان کی نگاہ میں غریب و امیر دونوں کی اہمیت یکساں ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ابلغونی حاجة من لا يستطيع ابلاغها فانه من ابلغ سلطانه حاجة من لا يستطيع ابلاغها ثبت الله قدميه يوم القيمة. (۱)

جو لوگ اپنی حاجت مجھ تک نہیں پہنچا سکتے، تم لوگ خود ان کی حاجت مجھ تک پہنچاؤ۔ جو حکومت کو لوگوں کی حاجت سے آگاہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز (جب لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے) اسے ثابت قدمی بخشے گا۔

اسی احساس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا: اگر میں زندہ رہا تو تمام ملک کا دورہ کروں گا، اور رعایا کے حالات معلوم کروں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ لوگوں کی بعض ضروریات ایسی ہیں جو مجھ تک پہنچ نہیں پاتیں۔ لوگ خود مجھ تک آ نہیں سکتے اور عُمّال ان کی ضروریات کو میرے علم میں نہیں لاتے۔ (۲)

وظائف اور تنخواہیں:

تنخواہوں اور وظیفوں کے معاملے میں اسلامی حکومت ہر کارکن کے ساتھ اس کی ضروریات کے مطابق معاملہ کرتی ہے۔ ابو داؤد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب فَے کا مال آتا تو آپ ﷺ اسی وقت تقسیم فرما دیتے۔ اہل و عیال والے کو دو حصے اور مجرد کو ایک حصہ دیتے۔ (۳) تنخواہ میں اضافے کا موجب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خدمت گزار اپنے فرائض میں قابلیت اور محنت و مہارت کا ثبوت دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عمل ماثور ہے کہ آپ ﷺ نے ایک کارکن کے بارے میں، جس نے بعض مواقع پر اپنے کام کو بڑی عمدگی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا تھا، بعد میں آنے والے امراء کو اُس سے حسنِ سلوک کی وصیت کی، بلکہ آپ ﷺ نے اسے ایک دستاویز عنایت فرمائی تھی۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ وہ صاحب حضرت

۱۔ التراتیب الاداریہ، الکتانی۔ ۲۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی حدید۔

۳۔ الادارۃ الاسلامیہ، کرد علی، ص ۱۷۸۔

عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک زندہ رہے، اور اس پورے عرصہ میں خلفاء سے اپنا وظیفہ وصول کرتے رہے۔(۱) معاشی ضروریات ایسی ہیں جن سے بہر حال اسلامی حکومت اپنے کارکنوں اور کارپردازوں کو بالکل یکسو کر دینے کا اصول اختیار کرتی ہے، تاکہ وہ سرکاری خدمات کو سکونِ خاطر، دل جمعی اور بے لوث طریقے سے انجام دیتے رہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے ایک عامل کو حکم دیا کہ سرکاری کارکنوں کو پورے معاوضے دیئے جائیں۔

فان ذالک قوة لهم علىٰ استصلاح انفسهم وغنى لهم عن تناول ما تحت ايديهم وجحة عليهم ان خالفوا امرک او ثلموا امانتک. (۲)

کیونکہ یہ چیز کارکنوں کو اپنے حالات درست رکھنے میں مدد دے گی، اور انھیں زیرِ تصرف اموال پر دست درازی کرنے سے بے نیاز کر دے گی۔ اور اگر اس کے بعد وہ تیرے حکم کی خلاف رزی کریں گے یا تیری امانت میں خیانت کریں گے تو تیری طرف سے ان پر حجت قائم ہو جائے گی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز پر ایک بار یہ اعتراض کیا گیا کہ ''آپ اپنے عمّال کو سو سو دو دو سو دینار بلکہ اس سے بھی زیادہ ماہانہ وظائف دیتے ہیں؟'' خلیفۂ راشد نے جواب دیا: ''اگر یہ لوگ اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عامل رہیں تو میں یہ معاوضے بھی ان کے لئے معمولی سمجھتا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ غمِ روزگار سے ان کو بالکل فارغ البال کر دوں۔'' (۳)

کارکنوں کے معاوضے مسلمانوں کے بیت المال سے جاری کئے جائیں گے، کیونکہ وہ مسلمانوں ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہارون الرشید نے ایک بار قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تھا کہ ''کیا قاضی کو میراث کے مال میں سے وظیفہ ملے گا؟ قاضی ابو یوسف نے جواب دیا: نہیں، اسے بھی مسلمانوں کے بیت المال سے وظیفہ دیا جائے گا۔''

صلہ اور پنشن:

اسلامی حکومت میں خدمت گزاروں کو عمدہ کارکردگیوں کے صلے دینے اور فراغت کے بعد انھیں پنشن دینے کی مثالیں بھی تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ صلہ دینے کے بارے میں خود

۱۔ التراتیب الاداریہ، الکتانی۔ ۲۔ الادارۃ الاسلامیہ، ص ۶۰۔

۳۔ الادارۃ الاسلامیہ، ص ۱۵۴۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اس کی متعدد نظیریں احادیث وآثار کے ذخیرے میں موجود ہیں۔ آپ نے ہمدان کے ایک شخص قیس بن مالک الارجی کو اس کی قوم پر، جس میں عرب بھی تھے اور موالی بھی، عامل مقرر کیا، تو آپ ﷺ نے اس کا وظیفہ جاری کیا، اور اس کے علاوہ اسے مستقل طور پر دوسو صاع سالانہ نسار کی مکی کے اور دوسو صاع سالانہ خیوان کے انجیر بطورِ صلہ عطا کئے۔ آپ ﷺ کا یہ عطیہ نہ صرف حینِ حیات اسے ملتا رہا بلکہ مرنے کے بعد اس کے ورثاء بھی اسے ہمیشہ وصول کرتے رہے۔(۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ ایسے یتیم اور لاوارث بچے ان کے علم میں لائے جائیں جن کے باپ حکومت کے تنخواہ دار تھے۔ جب آپ کو ایسے افراد کی فہرست پہنچی تو آپ نے ان سے پانچ پانچ کو ایک خدمت گار دیا، اور انمیں جو غیر شادی شدہ لڑکیاں تھیں ان کے لئے باقاعدہ وظائف جاری کئے۔ حضرت عمر نومولود بچوں کا وظیفہ اس وقت جاری کرتے تھے جب وہ دودھ چھوڑتے تھے۔ لوگوں نے قبل از وقت دودھ چھڑانا شروع کر دیا۔ جب انھیں خبر ملی تو انھوں نے فوراً اپنے منادی سے اعلان کروا دیا کہ لوگ بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کریں۔ اب ہر بچے کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے۔(۲)

جو ملازمینِ حکومت معذور یا از کار رفتہ ہو گئے ہوں حکومت کی جانب سے ان کی نگرانی اور امداد واعانت کا انتظام کیا جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بلادِ شام کے عمال کو ایک فرمان بھیجا تھا جس میں ایسے ملازمین حکومت کے متعلق معلومات طلب فرمائی تھیں، جو مفقود البصارت ہوں یا چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے ہوں، یا فالج زدہ ہوں، یا انھیں ایسا دائمی مرض لاحق ہو گیا ہو، جو ادائے نماز میں حارج ہوتا ہو۔ اس کے بعد انھوں نے من جانب حکومت ہر نابینا کے لئے ایک محافظ اور ہر دو دائم المرض شخصوں کے لئے ایک خادم کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔

ذاتی کاروبار کی ممانعت:

اسلامی حکومت کسی ملازم کو دورانِ ملازمت ذاتی کاروبار کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکور ہے کہ ان کے پاس بہت سا مال ومتاع جمع ہو گیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس گھوڑوں کی کئی نسلیں ہوگئیں اور ان کی منتشر زمینیں یک جا ہو گئیں،

۱۔ الادارۃ الاسلامیہ، ص ۱۵۔ ۲۔ ادارۃ الاسلامیہ، ص ۱۰۵۔

اور ان کی تجارت خوب چمکی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: حضرت! اس مال میں سے آپ اپنا رأس المال اور اپنی تنخواہ رکھ لیں اور باقی پورے کا پورا بیت المال کے حوالے کریں۔" (۱)

سرکاری اشیاء کا ذاتی تصرف:

ملازمین سرکاری اشیاء کو ذاتی تصرف میں لانے کے مجاز نہیں ہیں۔ قلم و کاغذ سے لے کر حکومت کی گاڑیوں اور ذرائع نقل وحمل تک، کسی چیز سے اپنی ذات کے لئے استفادہ نہیں کر سکتے۔ سرکاری اشیاء دراصل قوم کی امانت ہوتی ہیں اور ان کو صرف قوم کے مفاد و مقاصد میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر محکمۂ ڈاک کا کوئی ملازم ڈاک کی گاڑیوں کو غیر سرکاری کام کے لئے استعمال کرتا ہے، تو وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے یہ واقعہ درج کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا ایک غلام بلا اجازت ڈاک کے جانور پر ایک شخص کو سوار کر کے لے آیا، تو آپ نے اسے بلایا اور کہا کہ "جب تک تو اس کا کرایہ بیت المال میں جمع نہیں کرے گا۔ یہاں سے نہیں ہل سکتا۔"

"سرخ فیتے" کا استیصال:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے عاملِ یمن کو لکھا:

"میں اگر تجھے حکم دوں کہ تو مسلمانوں کی ظلم و زیادتی کی شکایات کا جواب دے تو کیا تو میری طرف مراجعت کی ضرورت محسوس کرے گا۔ نہ بُعد مسافت کا خیال کرے گا اور نہ موت کے حادثات کا، حتیٰ کہ اگر میں لکھوں کہ فلاں مسلمان کی ظلم سے لی ہوئی بکری واپس کر، تو کیا تو مجھے لکھ بھیجے گا کہ سفید دوں یا کالی دوں؟...... یاد رکھ شکایات کا فیصلہ وہیں کر لے، میری طرف بار بار رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔"

اسی نوعیت کا ایک ہدایت نامہ کوفہ کے عامل کو لکھا:

"میرا خیال ہے کہ اگر میں تجھے لکھوں کہ فلاں آدمی کو ایک بکری دے تو تو مجھے لکھے گا کہ نر دوں یا مادہ؟ اگر میں لکھ بھیجوں کہ کوئی ایک دے دے، تو تو پھر یہ پوچھنے لگے گا

۱۔ الادارۃ الاسلامیہ لکرد علی، ص ۳۹۔

کہ چھوٹی ہو یا بڑی؟ اگر میں جواب دوں: ''کوئی ایک ہو۔'' تو پھر ایک خط دوڑائے گا کہ بھیڑ ہو یا بکری؟ جب میں نے ایک بار لکھ دیا کہ ایسا کر، تو تُو اپنی صوابدید پر اس کی تعمیل کر۔ میری طرف بار بار رجوع کرنے کی حاجت نہیں۔''

ارکانِ حکومت اور عام شہریوں میں قانونی مساوات:

اسلامی ریاست ہر شہری کو بڑے سے بڑے عہدیدار کے خلاف بھی اس کے ظلم و زیادتی پر قانونی چارہ جوئی کا غیر مشروط حق دیتی ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی عدالتی و قانونی تفریق روا نہیں رکھتی۔ عدالت و قضاء کے جو آداب وضوابط ایک شہری پر عائد ہوتے ہیں، ریاست کا حاکمِ اعلیٰ بھی ان کا اسی طرح سے پابند ہے اور اس معاملے میں کوئی سیاسی مصلحت اور حکمت آڑے نہیں آ سکتی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ایک بار انھوں نے حج کے موقع پر تمام عمّال کو جمع کیا۔ مجمع کے اندر عام لوگ موجود تھے۔ آپ نے کھڑے ہو کر عام لوگوں سے دریافت کیا کہ تم میں سے کسی کو کسی عامل کے خلاف کوئی شکایت ہو تو وہ اُٹھ کر بیان کرے! راوی کا بیان ہے کہ اتنے بڑے مجمع میں سے صرف ایک شخص اُٹھا اور اس نے شکایت کی کہ امیر المؤمنین! آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے اجازت دی کہ وہ عامل سے اپنا بدلہ لے لے۔ یہ سن کر حضرت عمرو بن العاصؓ بولے، کہ امیر المؤمنین! اگر آپ نے حکام کے خلاف یہ دروازہ کھول دیا تو ان کے لئے یہ چیز بہت ناگوار ہو گی، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی کوئی توجیہ قبول نہ کی۔ اور فرمایا کہ میں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کو قصاص کے لئے پیش فرماتے دیکھا ہے، تو ان لوگوں سے کیونکر قصاص نہ دلواؤں بالآخر مدعی نے خودی دو سو دینار لے کر قصاص کو معاف کر دیا، ورنہ حضرت عمر اس کو قصاص لینے کا حق دے چکے تھے۔

خلافتِ راشدہ کے دور میں اس طرح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، حتیٰ کہ خود خلفاء عام شہریوں کے برابر عدالت کے کٹہرے میں حاضر ہوتے دیکھے گئے، اور ان پر عام شہریوں کی جانب سے دائر کردہ مقدمات قائم ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالعموم کہا کرتے تھے کہ ''جس پر کسی عامل نے ظلم کیا ہو وہ میرے پاس آئے تا کہ میں اس کا بدلہ اسے دلواؤں۔''

☆ الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد ☆ اجتہاد اجتہاد کے ساتھ باطل نہیں ہو گا ☆

سفارش اور اقربا نوازی سے اجتناب:

ملکی نظم ونسق کو تباہ و برباد کرنے میں سفارش اور اقربا نوازی سے بڑھ کر شاید ہی کوئی بیماری ہو۔ اسلام کارکنانِ حکومت کے اندر جن اعلیٰ صفات کو دیکھنے کا خواہشمند ہے، ان میں سے مقدم صفات یہ ہیں کہ حکومت کے نظم ونسق کو سفارش کی دراندازی سے پاک رکھا جائے۔ اور سرکاری اموال سے خویش و اقارب کے ہاتھ رنگنے سے احتراز کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے ایک بار حضرت عمرؓ سے سفارش کی کہ اپنے عراق کے عامل کے نام ایک سفارشی چٹھی لکھ دیں کہ فلاں اصحاب کی خاص طور پر مدارات کرے۔ حضرت عمر نے اسے جھڑکا اور کہا: کیا تو لوگوں پر ظلم کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔ عامل بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہے، اسے بھی وہی کچھ میسر ہے، جو دوسروں کو میسر ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُشترنخعی کو مصر کی ولایت پر مامور کرتے وقت نصیحت کی: ''عمال کی کارروائیوں پر کڑی نگاہ رکھنا، کسی عامل کو دوستی اور غرض مندی کی بناء پر مقرر نہ کرنا، بلکہ امتحان اور آزمائش کے ذریعے سے اس کا انتخاب کرنا۔'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع پہنچی کہ ان کا بھانجا عبدالرحمٰن بنام الحکم، جو کوفہ پر عامل ہے، اپنی عملداری میں بدکرداری کر رہا ہے۔ حضرت معاویہ نے اس کو فوراً بیک بنی و دوگوش برطرف کر دیا۔ ہادی باللہ نے اپنے مختصر سے دور میں اپنی ماں خیزران کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ وہ امورِ مملکت میں کوئی دخل دے۔ اور اہل غرض کی مطلب برآریوں سے اسے معاف رکھے۔

رشوت ستانی سے احتراز:

اسلام کا پاکیزہ اور خدا پرستانہ نظام اس چیز سے بہت بالا ہے کہ اس کے کارکن رشوت ستانی اور خیانت کی لعنت میں مبتلا ہوں اور نہ صرف دنیا میں عبرت ناک سزا کے مستحق ٹھہریں، بلکہ عاقبت میں بھی ان کیلئے دوزخ کے سوا کوئی ٹھکانہ نہ ہو۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الراشي والمرتشي كلاهما في النار.

رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنم کا ایندھن ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رشوت لینے والے، رشوت دینے والے اور رشوت کی دلالی (الرائش) کرنے والے تینوں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعنة الله على الراشي والمرتشي في الحكم.

فیصلوں میں رشوت کا لین دین کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔

رشوت ستانی کے ساتھ اسلام نے وہ ''چور دروازے'' بھی بند کر دیئے ہیں جو اس ام الخبائث کے در آنے کے امکانات پیدا کرتے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمال اور حکام کے لئے ہدایا کو بھی خیانت میں شمار کیا (ہدایا العمال غلولٌ) ایک مشہور مقولہ ہے کہ اِدھر دروازے سے ہدیہ داخل ہوا اور ادھر کھڑکی سے امانت رخصت ہوگئی۔'' صحاح کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو اللتبیہ نامی ایک شخص کو قبیلہ ازد پر محصل (Collector) مقرر فرمایا۔ جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آئے اور حساب دینے لگے تو کہا کہ یہ بیت المال کا حصہ ہے، اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔'' یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر برافروختگی کے علامات طاری ہو گئے، اور آپ نے خطبہ دیا جس میں اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جو کام میرے سپرد فرمایا ہے، اس کے انتظام و انصرام کے لئے، جب میں تم لوگوں کو کسی خدمت پر مقرر کرتا ہوں، تو بعض لوگ جب مدتِ عمل پوری کر کے واپس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تمہارا (بیت المال) حصہ ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے پاس ہدیے آجاتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایسی بکثرت مثالیں ملتی ہیں کہ آپ ایسے کارکنوں پر سخت گرفت کرتے رہے جو دورانِ خدمت خوشحال ہوجاتے تھے۔ آپ کی گرفت سے حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو موسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر صحابہ بھی نہیں بچ سکے۔ دوسری طرف ہم اُس دور میں اسلامی حکومت کے ملازموں کے اندر بھی للّٰہیت اور اخلاص و خدا ترسی کی پاکیزہ روش کارفرما دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ریاست کی خدمت کو زینتِ دنیا اور عیش و تنعم کی خاطر قبول نہیں کیا، بلکہ اسے عین عبادت سمجھا اور پوری بے لوثی اور شانِ استغناء کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہوئے اور جس پاک دامنی کے ساتھ وہ اس نازک مقام میں داخل ہوئے تھے اسی پاک دامنی کے ساتھ [illegible] نکلے اور اللہ کی رضامندی اور رحمت ان کے شامل حال تھی۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاہرہ'' میں حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کے مشہور سپہ سالار جنگ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے آرمینیا کے ایک شہر پر چڑھائی کی۔ اسلامی فوجیں ہنوز راہ میں تھیں کہ اس شہر کے اسقف کا نمائندہ اور سربرآوردہ لوگ حبیب بن مسلمہ کے پاس آئے اور ہدایا وتحائف پیش کر کے صلح کی درخواست کی۔ حبیب بن مسلمہ نے صلح کی درخواست منظور کر لی اور اہلِ شہر کے نام نوشتہ لکھ دیا کہ ''میں نے تمہارے تحائف قبول کر لئے اور انھیں تمہارے جزیہ میں محسوب کرلیا ہے۔''

Muslim Hands

The Organisation to fight against poverty !

To Provide :

Education,Vocational Traninig,Housing,Medical-Care,Food Distribution,Safewater, Electricity, to needy and poor Muslims.

& To Look after the Orphans

Its working in the following Countries.

Afghanistan, Albania, Azerbijan, Bangladesh,Bosnia, Chechnya,Eritera, Ethipoia, Georgia, India, Iraq, Kashmir, Kenya, Kosova, Lebanon, Mexico, Mozambique, Nigeria, Pakistan, Palestine, Senegal, Sierra Leonne, Somalia, South Africa, Sudan, Tanzania, The Gambia, Turkey, United Kingdm.

Come & Join the really working people.

Muslim Hands

148-164 Gregory Boulevard

Nottingham NG7 1BR U.K.

E.mail: contact@muslimhandsorg

www.muslimhands.org

فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب (سنن ابوداود وترمذی)